

عالم اسلام اور تکفیر و قتل کا فتنہ

عالم اسلام میں باہمی تکفیر اور اس کی بنیاد پر قتل و قتل کی روایت نئی نہیں ہے بلکہ شروع دور سے ہی چلی آ رہی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف بغاوت کرنے والے خوارج نے تکفیر کو ہی اپنے امتیاز و تشخص کی علامت بنایا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف قتل و قتل کا بازار گرم کر دیا تھا۔ وہ نہ صرف حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان مصالحت کے لیے حکم اور ثالث کے تقرر کے فیصلے کو کفر قرار دیتے تھے بلکہ کبیرہ گناہ کے مرتکب عام مسلمانوں کو مرتد قرار دے کر ان کے قتل کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔ ان کا استدلال بعض قرآنی آیات کے ظاہری بلکہ خود ساختہ مفہوم سے ہوتا تھا اور قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ ان کا شغف اتنا عام تھا کہ انہیں قاریوں کا گروہ کہا جانے لگا تھا۔ حتیٰ کہ جب انہوں نے بصرہ پر قبضہ کر کے کم و بیش چھ ہزار افراد کو قتل کر ڈالا تو اسے بصرہ پر قاریوں کے قبضہ سے تعبیر کیا گیا۔ خارجیوں کے معروف کمانڈر سخاک نے ایک مرحلہ میں کوفہ پر فوج کشی کر کے اس پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور کوفہ کی جامع مسجد میں تلوار لہراتے ہوئے ہزاروں مسلح ساتھیوں سمیت کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دیا تھا کہ کوفہ کے سب لوگ باری باری اس کے سامنے آ کر کفر سے توبہ کریں ورنہ وہ بصرہ کی طرح یہاں کے لوگوں کو بھی قتل کر دے گا۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا حوصلہ و تدبر اور ان کی فراست و حکمت تھی جو سخاک کمانڈر کے اس سکروہ عزم کی راہ میں حائل ہو گئی ورنہ اس کے ہاتھوں کوفہ میں بصرہ کی تاریخ دہرائے جانے میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل مولانا مناظر احسن گیلانی نے ”امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی“ میں بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے سخاک خارجی کا سامنا کر کے اس سے دریافت کیا کہ اس نے کوفہ کی عام آبادی کے قتل عام کا یہ حکم کیوں دیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور مرتد کی سزا قتل ہے، اس لیے اگر یہ لوگ توبہ نہیں کریں گے تو میں سب کو قتل کر دوں گا۔

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ مرتد وہ ہوتا ہے جو اپنا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لے، جبکہ کوفہ کے لوگ تو اسی عقیدہ و ایمان پر قائم ہیں جس پر پیدا ہوئے تھے، اور انہوں نے اپنے دین اور عقیدہ و ایمان میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اس لیے انہیں مرتد قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ بات سخاک خارجی کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے ”اخطأنا“ کہتے ہوئے نہ صرف اپنی تلوار جھکا لی بلکہ ساتھیوں کو بھی تلواریں جھکانے کا حکم دے دیا، جس سے کوفہ والوں کی جاں بخشی ہو گئی۔ خوارج نے اس دور میں تکفیر اور قتل و قتل کا جو وسیع تر بازار گرم کیا، وہ تاریخ کے کئی تلخ ابواب کی صورت میں

ہمارے ماضی کا ناخوشگوار حصہ ہے۔

تکفیر و قتال کی اسی روش اور نفسیات کی تازہ لہر نے عالم اسلام کے بہت سے حساس علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور اس سے عالمی اسلام دشمن قوتوں نے فائدہ اٹھانے کی ایسی منظم منصوبہ بندی کر رکھی ہے کہ ملت اسلامیہ کی اجتماعی دانش کرب و اضطراب کی شدت سے تلملا کر رہ گئی ہے۔ اب سے ربع صدی قبل الجزائر کی اسلامی جماعتوں نے ”اسلامک سالیوشن فرنٹ“ کے نام سے متحدہ محاذ بنا کر قومی سیاست میں فیصلہ کن قوت حاصل کر لی تھی اور عام انتخابات کے پہلے مرحلہ میں اسی فیصد ووٹ حاصل کر کے عالمی سیکولر قوتوں کو چوڑکا کر رکھ دیا تھا۔ مگر اس کی راہ روکنے کے لیے عام انتخابات کی بساط لپیٹ دی گئی، فوج نے اقتدار سنبھال لیا اور اسلامی قوتوں کو غیر مؤثر بنانے کے لیے جبر و مکر کے تمام ممکنہ حربے استعمال کیے گئے جن میں ایک حربہ یہ بھی تھا کہ اسلامی جماعتوں کے درمیان تکفیر اور خانہ جنگی کی دیواریں کھڑی کی گئیں اور دس سال کے عرصہ میں ایک لاکھ کے لگ بھگ الجزائر کی شہریوں کی قیمتی جانیں اس کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ میں نے فکر و تحقیق کے محاذ پر کام کرنے والے متعدد اداروں اور شخصیات سے بار بار یہ درخواست کی ہے کہ اگر الجزائر میں تکفیر کی بنیاد پر گزشتہ پندرہ سال کے دوران ہونے والے خونریز خانہ جنگی کی مستند اور جامع رپورٹ مرتب کر کے قوم کے سامنے لائی جاسکے تو بہت سے حلقوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہوگی۔ مگر بد قسمتی سے تحقیق، مطالعہ، مستند رپورٹنگ اور حقیقی معروضی صورت حال سے آگاہی حاصل کرنے کا ہم میں ذوق ہی نہیں رہا جس کے تلخ نتائج پوری امت کو بھگتنا پڑ رہے ہیں۔ خود اپنا حال یہ ہے کہ اسباب و وسائل اور فرصت دونوں حوالوں سے اس قسم کے کام شجر ممنوعہ کی حیثیت اختیار کرتے جا رہے ہیں اور عملاً چیخنے چلانے اور کڑھنے جلنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر پاتا۔

الجزائر کے بعد مصر و شام اور عراق وغیرہ دیگر ممالک کے ماحول میں اب اسی تجربہ کا اعادہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بظاہر یوں لگتا ہے کہ شام اور عراق میں حکمرانوں کے مسلسل جبر و تشدد کے رد عمل میں منظم ہونے والے گروہوں کو بھی تکفیر اور قتال کی اسی ڈگر پر چلا دیا گیا ہے اور خوارج کی مخصوص نفسیات کی انتہائی گہری تکنیک کے ساتھ آبیاری کی جا رہی ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے کچھ عرصہ قبل مغرب کی فکری و ثقافتی یلغار کا نشانہ بننے والی نئی نسل کی فکری بے راہ روی کا رونا روتے ہوئے لکھا تھا کہ ”ردۃ ولا ابا بکر لہا“ ارتداد ہر طرف پھیل رہا ہے مگر روکنے کے لیے کوئی ابوبکرؓ موجود نہیں ہے۔ جبکہ آج کا المیہ یہ ہے کہ تکفیر و قتال کا فتنہ عالم اسلام کو لپیٹ میں لیتا جا رہا ہے مگر وقت کے ضحاکوں کو سمجھانے کے لیے کوئی ابوصنیفہؓ سامنے نہیں آ رہا۔ فالی اللہ الممشتکی۔

منافقین کے حوالے سے اسوۂ نبوی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور اسے اپنا مرکز بنایا تو یہود اور مشرکین کے مختلف قبائل کے ساتھ ساتھ آپ کو ایک ایسے طبقہ سے بھی واسطہ پڑا جو کلمہ پڑھ کر بظاہر مسلمانوں میں شامل ہو گیا تھا

لیکن دل سے مسلمان نہیں ہوا تھا، اور دل سے اس کی تمام تر ہمدردیاں اور معاونتیں کفار کے ساتھ تھیں جن کا تذکرہ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر موجود ہے۔

غزوہ احد میں یہ لوگ تین سو کی تعداد میں عبداللہ بن ابی کی سرکردگی میں میدان چھوڑ کر واپس چلے گئے تھے جس سے آبادی میں اس وقت ان کے تناسب کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر مختلف اوقات میں ان کی شرارتیں اور منافقانہ حرکات سامنے آتی رہیں جن میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت بھی شامل ہے۔ اور ان کے اس شر پسندانہ الزام کی صفائی قرآن کریم نے پیش کی۔ ایک موقع پر انہوں نے مل بیٹھ کر یہ سازش بھی کی کہ وہ مدینہ منورہ سے مہاجرین کو واپس چلے جانے پر مجبور کر دیں گے۔ اس سازش کی خبر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زید بن ارقم نے دی تو ان لوگوں نے قسمیں اٹھا اٹھا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی سچائی کا اتنی شدت سے اظہار کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ارقم کو ڈانٹ دیا۔ اس پر قرآن کریم کی سورۃ ”المنافقون“ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ زید بن ارقم کی رپورٹ سچی ہے اور یہ لوگ جھوٹی قسمیں اٹھا رہے ہیں۔ ایک مرحلہ میں ان منافقین نے مدینہ منورہ میں ”مسجد“ کے نام سے اڈہ قائم کر لیا جسے قرآن کریم نے مسجد ضرار سے تعبیر کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں جانے سے منع کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسجد کے نام پر قائم ہونے والا یہ مرکز مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کے لیے اور دشمنوں کو گھات فراہم کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسمار کرنے کا حکم دے دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالہ مدنی زندگی کے دوران منافقین کی اس قسم کی شرارتیں اور سازشیں عام رہیں جن کا قرآن کریم نے ذکر کیا ہے اور احادیث میں بھی ان کی بہت سی تفصیلات مذکور ہیں۔ جبکہ قرآن کریم نے ”وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ“ اور ”انھم لکاذبون“ کہہ کر واضح طور پر کہہ دیا کہ یہ مسلمان نہیں ہے، اور ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ان سے بیچ کر رہنے کے ساتھ ساتھ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ التحریم میں یہ کہہ کر ان کے خلاف سخت جہاد کرنے کا حکم بھی دیا گیا کہ ”جاہد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم“ کہ ان کے ساتھ جہاد کریں اور ان پر سختی کریں۔

لیکن یہ بات توجہ طلب ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے خلاف ”جہاد“ کا کون سا طریقہ کار اختیار کیا؟ یہ لوگ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے ساتھ رہے، مسجد نبویؐ میں نمازیں پڑھتے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے، اور معاشرتی زندگی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ پوری طرح شریک کار رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ حضرت عمرؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے بعض منافقین کو قتل کرنے کی اجازت مانگی مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں اس لیے انہیں قتل کرنے سے دنیا والوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلمہ گو ساتھیوں کو بھی قتل کرنے لگے ہیں۔ ان میں سے کسی کو قتل کرنا تو درکنار نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درجن سے زائد ان منافقین کے نام ظاہر کرنے سے انکار کر دیا جنہوں نے ایک سفر سے واپسی پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لیے ویرانے میں گھات لگائی تھی اورنگی تلواروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ ان کا یہ حملہ ناکام ہو گیا مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو پہچان لیا تھا اور اپنے ساتھی حضرت حدیفہ بن الیمانؓ کو اس شرط پر سب کے نام بتا بھی دیے تھے کہ وہ کسی اور کو ان میں سے کسی کا نام نہیں بتائیں گے۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگوں بالخصوص حضرت عمرؓ کے شدید اصرار کے باوجود انہوں نے زندگی بھر ان میں سے کسی کا نام افشاء نہیں کیا۔

یہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی تھی کہ منافقین کی تمام تر شرارتوں اور سازشوں کے باوجود ان کے خلاف ”جہاد اور سختی“ کے قرآنی حکم کی تعمیل کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تدبیر اور حکمت کا راستہ اختیار کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدینہ منورہ میں کوئی معاشرتی خلیفہ پیدا نہیں ہوا اور منافقین رفتہ رفتہ بے اثر ہو کر سوسائٹی میں تحلیل ہوتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ خلفاء راشدینؓ کے دور میں ایک طبقہ کے طور پر ان کا کوئی وجود نہیں پایا جاتا تھا اور وہ نسبتاً منسبیا ہو کر رہ گئے تھے۔

منافقین کے ساتھ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکیمانہ طرز عمل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جہاد صرف لڑنے کا نام نہیں بلکہ حکمت عملی کے ساتھ دشمن کو ناکام بنا دینا بھی جہاد کہلاتا ہے اور کھلے کافروں کے ساتھ جو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں ان کا ”کلمہ گو کافروں“ کے ساتھ اختیار کرنا نہ صرف یہ کہ ضروری نہیں بلکہ یہ بات نقصان دہ اور اسلام کی دعوت و تبلیغ میں رکاوٹ بھی بن جاتی ہے۔ اس لیے آج کے حالات میں ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے راہ نمائی حاصل کرتے ہوئے ان معاملات پر اپنے طرز عمل کا از سر نو جائزہ لینا چاہیے۔

مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ اور مولانا مشتاق احمدؒ کا انتقال

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی قدس سرہ العزیز کا سانحہ ارتحال پورے ملک کے دینی، علمی اور مسلکی حلقوں کے لیے بے پناہ رنج و غم اور صدمہ کا باعث بنا ہے۔ وہ ملتان میں وفاق المدارس العربیہ کے سیمینار سے خطاب کر رہے تھے کہ اجل کا بلا آ گیا اور وہ اپنے ہزاروں شاگردوں اور لاکھوں عقیدت مندوں کو سوگوار چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ وہ حضرت مولانا مفتی عبدالخالقؒ اور حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے اور انہیں اپنے استاذ محترم کے ساتھ اس مماثلت کا اعزاز بھی مل گیا ہے کہ علماء کرام کے اجتماع میں مدارس دینیہ کے تحفظ اور دینی اقدار کی سر بلندی کی صدا لگاتے ہوئے ان کا انتقال ہوا۔

حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ کا شمار ملک کے نامور اساتذہ میں ہوتا تھا اور وہ صرف استاذ نہیں بلکہ ”استاذ گز“ تھے کہ ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والے سینکڑوں علماء کرام ملک کے طول و عرض میں بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں دینی علوم کی تدریس و ترویج اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کی خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ جامعہ باب العلوم

کہروڑپکا ان کا مستقل صدقہ جاریہ ہے اور وہ ایک شیخ کامل کے طور پر علماء کرام، طلبہ اور دیگر عقیدت مندوں کی روحانی تربیت میں بھی مصروف رہتے تھے۔ دینی تحریکات میں انہوں نے ہمیشہ سرپرست اور مربی کا کردار ادا کیا۔ تحریک ختم نبوت میں تو وہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر کی حیثیت سے قائد کا درجہ رکھتے تھے، مگر تحفظ ناموس صحابہؓ اور نفاذ شریعت کی جدوجہد کے کارکن بھی ان کی سرپرستی، دعاؤں اور راہ نمائی سے مسلسل فیض یاب ہوتے رہے۔ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے وصال کے بعد تحریک ختم نبوت کی قیادت کے لیے ان کا چناؤ ملک بھر کے دینی حلقوں کے اعتماد کا آئینہ دار تھا۔ مسلکی طور پر متصل دیوبندی تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ میں مسلکی معاملات میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کو سند سمجھتا ہوں اور انہی کے موقف اور تعبیرات کو اختیار کرتا ہوں۔

حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ کی وفات ملک بھر کے اہل دین کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے مگر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اپنے سربراہ اور امیر سے محروم ہو گئی ہے۔ پرانی وضع اور طرز کے علماء کرام جو اپنے مزاج اور انداز کار میں اپنے اکابر اسلاف کی یاد تازہ رکھے ہوئے تھے، اب کم ہوتے جا رہے ہیں اور ماضی قریب میں حضرت مولانا محمد نافع جھنگویؒ اور حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ کی وفات نے اس خلا بلکہ گھاؤ کو مزید گہرا کر دیا ہے۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، حضرت مولانا قاضی عبدالکریم آف کلاچی، حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، اور ان جیسے چند بزرگ باقی رہے گئے ہیں جن کا وجود غنیمت ہے اور جن کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و عافیت کے ساتھ ملک و قوم کو تادیر اپنے فیوض سے مستفید کرتے رہنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یا رب العالمین۔

گزشتہ ماہ کے دوران مولانا مشتاق احمد چنیوٹیؒ بھی ہم سے رخصت ہو گئے اور یہ صدمہ علمی و تحقیقی دنیا میں روز بروز بڑھنے والے خلا کا احساس مزید اجاگر ہونے کا باعث ثابت ہوا۔

مولانا مشتاق احمد چنیوٹیؒ کتابی دنیا کے ماحول میں رہتے تھے، لکھنا پڑھنا اور قادیانیت کے محاذ پر نوجوان علماء و طلبہ کو تیار کرنا ان کا محاذ تھا۔ چند ہفتے قبل عمرہ کے لیے گئے اور مکہ مکرمہ میں احرام کے دوران دل کا دورہ پڑنے سے ان کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ سے رد قادیانیت کا ذوق پایا تھا اور وہ حضرت چنیوٹیؒ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے۔ چنیوٹ میں علماء کرام کے لیے سالانہ تربیتی دورہ مولانا چنیوٹیؒ کا زندگی بھر کا معمول رہا ہے جس سے ہزاروں علماء اور طلبہ نے استفادہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنی مصروفیت اور علالت کے باعث زندگی میں ہی مولانا مشتاق احمد چنیوٹیؒ کو اس مسند پر بٹھا دیا تھا جبکہ ان کی وفات کے بعد سالانہ تربیتی کورس کے علاوہ تخصص کا ایک سالہ کورس بھی ان کے معمولات میں شامل ہو گیا تھا۔ عمر زیادہ نہیں تھی، غالباً چوالیس سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی ہے۔ علماء کرام اور طلبہ کی تربیت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ وسیع المطالعہ اور فاضل و

دانش مند عالم دین تھے۔ ان کی متعدد تصنیفات ان کا صدقہ جاریہ ہیں۔ راقم الحروف کے ساتھ مشاورت اور تبادلہ خیالات کا سلسلہ مستقل طور پر رکھتے تھے اور اپنے مسودات مطالعہ اور نظر ثانی کے لیے بھجوانے کے علاوہ میرے بہت سے مضامین پر رائے دیتے تھے، تنقید کرتے تھے اور اصلاح بھی تجویز کرتے تھے۔ مجھے بھی ان کی بعض تحریرات سے اختلاف ہوتا تھا تو حسب عادت اس کا اظہار کر دیا کرتا تھا، اور وہ اس کو محسوس کرنے کی بجائے ہمیشہ مفاہمت و مکالمہ کو ترجیح دیتے تھے۔

انہوں نے تحریک ختم نبوت کی تاریخ مرتب کی ہے جو اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے بہت بڑا معلوماتی مواد اپنے اندر رکھتی ہے اور اپنے استاذ محترم حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی کی سوانح مرتب کرنے میں انہوں نے جس ذوق و محنت سے کام کیا ہے، میں اس کا عینی شاہد اور مداح ہوں۔ انہوں نے قادیانیت کے محاذ پر اپنے مطالعہ و تحقیق کو کسی خاص دائرہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس شعبہ میں علامہ اقبال اور آغا شورش کاشمیری کے لٹریچر سے بھی استفادہ کیا ہے اور اس کا خلاصہ دو معلوماتی کتابچوں کی صورت میں پیش کیا ہے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کی معرکہ الآراء تفسیر ”معارف القرآن“ کا اشاریہ انہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے مرتب کیا جو کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے اور ان کے بہترین علمی و مطالعاتی ذوق کی غمازی کرتا ہے۔

قادیانیت کے بارے میں مطالعہ و تحقیق اور تجزیہ و استدلال میں وہ حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی کے خاص ذوق کے نمائندہ تھے، مگر اپنی انفرادیت بھی رکھتے تھے اور تربیتی مواد میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی کی وفات کے بعد قادیانیت کے حوالہ سے کتابی دنیا میں اور لٹریچر کے حوالہ سے حضرت مولانا اللہ وسایا زید محمد ہم کا وجود غنیمت ہے، اللہ تعالیٰ انہیں صحت و عافیت کے ساتھ تادیر یہ خدمت سرانجام دیتے رہنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یا رب العالمین۔ ان کے ساتھ جن چند افراد کے وجود اور محنت سے اس بارے میں کچھ نہ کچھ سہارا ہوتا تھا ان میں مولانا مشتاق احمد چنیوٹی کا نام سرفہرست تھا، دل کو تسلی ہوتی تھی کہ یہ نوجوان اس خلاء کو پر کرنے میں مزید پیش رفت کرے گا، مگر ان کی اچانک وفات سے یہ سہارا ٹوٹ گیا ہے۔

مولانا مشتاق احمد چنیوٹی کی وفات کے موقع پر مولانا محمد الیاس چنیوٹی بھی مکرمہ میں موجود تھے اور تجہیز و تکفین کا انتظام انہی کی نگرانی میں ہوا۔ مکرمہ میں حالت احرام میں وفات، حرم شریف میں نماز جنازہ کی ادائیگی، اور جنت البقیع میں تدفین مولانا مرحوم کی خدمات کی قبولیت کی علامات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند ترفمائیں اور پیمانہ ننگان کو صبر و حوصلہ کے ساتھ اس صدمہ سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دیں، آمین یا رب العالمین۔